

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب، از: ڈاکٹر اسرار احمد

درس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر

قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ

سُورَةُ الصَّفِّ

(۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا لازمی تقاضا

جہاد فی سبیل اللہ

أَحْمَدُهُ وَأُصَلِّيَ عَلَى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ — أَمَا بَعْدُ :

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الصف کے عہود کی تعیین اور اس کی مرکزی آیت کے اکثر حصے پر غور و فکر

- کر لینے کے بعد اب آئیے کہ ہم اس سورۃ مبارکہ پر بحیثیت مجموعی غور کریں۔ لیکن اس سے قبل اس سورۃ کی مرکزی آیت یعنی آیت نمبر ۶ کے آخری ٹکڑے کے حوالے سے ایک اور عظیم حقیقت کی طرف توجہ کرنا مفید ہوگا۔

آیت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الصف کی وہ مرکزی آیت قرآن مجید میں تین

مقامات پر آئی ہے۔ ایک مقام پر اس کا اختتام ﴿وَكُفِيَ بِاللّٰهِ شَهِيدًا﴾ کے الفاظ پر ہوتا

ہے۔ اس میں تو گویا اشارہ ہے اسی بات کی طرف جو اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے درس کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اگر اپنا فرض منصبی ادا کر دیں تو گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔ اس حوالے سے سیرت طیبہ کا وہ اہم واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو گا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا، آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ! میرے پاس تیری دو امانتیں سپہی تھیں، ایک تیری کتاب، جسے میں نے امت تک بلا کم و کاست پہنچا دیا، حق تبلیغ ادا کر دیا، دوسرے دین حق، جسے تیری تائید اور اپنے صحابہ کے تعاون سے میں نے تیس سالہ محنت شاقہ کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب پر بالفعل قائم کر دیا۔ اب یہاں تیرا ہی بول بالا ہے، تیرا ہی حکم نافذ ہے اور تیرا ہی جھنڈا سب سے بلند ہے۔ وَ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا۔ اس کی شہادت اور گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔

بقیہ دو مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں یہ آیت ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ کے الفاظ پر ختم ہوتی ہے۔ ”چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو“۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تصادم ناگزیر ہے۔ مشرک کبھی گوارا نہ کریں گے کہ اللہ کا دین یہاں قائم ہو، وہ نظام عدل و قسط عملاً برپا ہو جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ کفر اور شرک کی قوتیں دین حق کے لئے آسانی سے راستہ نہیں چھوڑیں گی۔ وہ لازماً reteliate کریں گی۔ تصادم ہو کر رہے گا، کشمکش ہوگی، لیکن اس سب کے علی الرغم، اس سب کے باوجود، رسول کا فرض منصبی ہے کہ اس دین کو قائم کرے، اسے غالب و نافذ کرے جو اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے۔

مذہبی اور سیاسی شرک کا گٹھ جوڑ

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے اور اس کا تعلق ہمارے اس منتخب نصاب میں شرک کی بحث سے جڑ جاتا ہے۔ شرک کے بارے میں یہ خیال بڑا عامیانا اور سطحی سا ہے کہ اس کا تعلق محض مخصوص مذہبی امور کے ساتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں

تاریخِ نسلِ انسانی کے دوران ہر دور میں اور ہر خطہ زمین میں شرک کے دو نظام ہمیشہ قائم رہے ہیں، ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ انہی دو راستوں سے درحقیقت نوعِ انسانی کا استحصال ہوتا چلا آیا ہے۔ مذہبی شرک کی شکل تو یہ ہے کہ کوئی پنڈت، کوئی پروہت، کوئی پادری، کوئی پجاری یا کوئی پیر کسی آستانے کا مجاور بن کر یا کسی بنت کدے کا پروہت یا پجاری بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتا ہے اور مذہب کے نام پر عوام کے گاڑھے سینے کی کمائی میں سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشی استحصال (Economic Exploitation) کی انتہائی مکروہ صورت ہے۔ بقول شاعر ع

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگنے یا خراج!

دوسری جانب بادشاہت کے نظام کی صورت میں سیاسی شرک کا نظام تاریخِ انسانی کے ہر دور میں قائم رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ کہیں یورپ میں Divine Rights of Kings (بادشاہوں کے خدائی اختیارات) کا راگ الاپا جا رہا ہے اور کہیں ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ رواں ہے۔ یہ بادشاہ اور ملوک اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر عوام سے خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ اس طرح انسانی تاریخ میں یہ دونوں مشرکانہ نظام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ ادھر مذہبی طبقات کی طرف سے بادشاہِ وقت کو "His Holiness" کا خطاب مل رہا ہے تو ادھر سے انہیں "Defenders of the Faith" کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ گویا صلح من ترا حاجی گویم تو مراملانگو۔ یہ مذہبی شرک اور سیاسی شرک کے دو نظام جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہے اور جنہوں نے انسانوں کی گردنوں پر اپنی خدائی کاجو ڈالے رکھا، ظاہریات ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ سارا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جائے اور یہ سارے مفادات آن واحد میں ختم ہو جائیں۔ علامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کہا تھا ۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے

میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اسلام ہے وہ نظام جو ان درمیانی واسطوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے، جو یہ پیغام
لے کر آیا ہے کہ جہاں چاہو اور جب چاہو خدا سے ہم کلام ہو جاؤ :

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا
دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝﴾

(البقرة : ۱۸۶)

”اور (اے نبی) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو
(انہیں بتادیں کہ) میں قریب ہی ہوں، میں ہر پکارنے والے کی پکار (کو سنتا اور
اس) کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، تو چاہئے کہ وہ بھی میرا کما
مائیں اور مجھ پر یقین رکھیں، تاکہ رشد و کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔“

وہ انسان پر سے انسان کی خدائی کا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے۔ سطحِ تمیز بندہ و آقا فساد
آدمیت ہے۔ یہاں کوئی کسی کا آقا نہیں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا بندہ
نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : «كُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا» ”سب اللہ کے
بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“ تمہارے مابین قوم، نسل اور رنگت کے اعتبار
سے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلابی پیغام جو محمد رسول اللہ
ﷺ لے کر آئے۔ ان اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ظاہر بات ہے کہ اُس مشرکانہ اور باطل
نظام کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے جہاں اس نظام سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں۔ اس
لئے فرمایا : «وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ» کہ مشرکین کی طرف سے تو مخالفت ہو کر رہے
گی۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ نظام عدل و قسط دنیا میں قائم اور برپا ہو جائے، انسانوں کی
گردنوں پر سے دو طرفہ غلامی کے جوئے اٹھادیئے جائیں اور ان کی گردنوں میں سے وہ
طوق اتار دیئے جائیں جن کے بوجھ تلے نوعِ انسانی ہمیشہ دبی اور سسکتی رہی ہے۔
سورۃ الاعراف میں حضور ﷺ کی یہ شان ان الفاظ میں بیان ہوئی : ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ
إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾

آنحضور ﷺ کے مشن کا لازمی تقاضا، جہاد فی سبیل اللہ!

بہر حال اس آخری ٹکڑے یعنی ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ کے ضمن میں اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب یہ بات جان لیجئے کہ سورۃ الصف میں حضور ﷺ کے اس مقصد بعثت کی تعیین کے بعد اس کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے اب مضمون آرہا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا، کہ اے اہل ایمان! اب اس مشن کی تکمیل کے لئے کمر ہمت کس لو! دین اللہ کا ہے، اس کو غالب کرنا فرض منصبی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا۔ تو اب اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں اور ان پر ایمان کے دعوے داروں کا یہ فرض منصبی ہے کہ اس مقصد کے حصول اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو لگا دیں اور کھپا دیں۔ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں، کوششیں کریں اور اس راہ میں اپنے مال لگائیں، اپنی جانیں کھپائیں، اپنی قوتیں صرف کریں اور اپنے اوقات لگائیں کہ یہ ان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کو برپا کرنا اور اسے قائم و نافذ کرنا کسی ایک فرد بشر کا کام نہیں۔ یہ ایک نہایت عظیم کام اور بہت اونچا نصب العین ہے اور اس کے لئے ایک بڑی بھرپور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعی جدوجہد میں نبی ﷺ کے دست و بازو بننا، ان کا ساتھ دینا، ان کی نصرت کرنا اور جہاں ان کا پینہ گرا ہو وہاں اپنا خون بہا دینے کو اپنے لئے موجب فخر و سعادت جاننا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس لئے کہ جب تک یہ کیفیت اللہ اور رسول ﷺ کے ماننے کے دعوے داروں میں پیدا نہ ہو اس مشن کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ سیرت النبیؐ اور سیرت صحابہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ انقلاب اسی طور سے برپا ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس راہ میں نچھاور کر دیا۔ غزوہ خندق کا تصور کیجئے جبکہ بڑا ہی کٹھن وقت آن پڑا تھا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی کو بارہ ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور اس وقت جبکہ خندق کھودی جا رہی تھی اور پھاوڑے چل رہے تھے یہ رجز اور یہ ترانہ صحابہؓ کی زبانوں پر تھا: ”نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا“ کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی ہے محمد ﷺ کے ہاتھ پر۔ ”عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا“ یہ بیعت ہے جہاد کی کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور جب تک جسم و جان کا تعلق بزر قرار ہے ہم اس جہاد، اس کوشش اور اس

جدوجہد میں لگے رہیں گے۔ ایک انتہائی نفع بخش تجارت!

چنانچہ سورۃ الصدف کی اس مرکزی آیت کے بعد اگلی ہی آیت میں مسلمانوں سے یہ سوال کیا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ﴾ کہ اے اہل ایمان! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف، اس تجارت کی طرف جو تمہیں نجات دے ایک دردناک عذاب سے؟ — یہ انسانی ذہن کے بت قریب آکر بات کرنے کا انداز ہے کہ تم ذنیوی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو خوب جانتے ہو، لیکن ایک کاروبار وہ بھی ہے کہ جس سے حاصل ہونے والا نفع عذاب الیم سے چھٹکارے کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس کاروبار کے نتیجے میں تم دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے، جنم کی آگ سے تمہیں رستگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہ سوال کرنے کے بعد جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود دیا۔ تعلیم و تقسیم کا یہ بڑا ہی حکیمانہ انداز ہے کہ سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔

فرمایا: ﴿تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اُسکے رسول پر“۔ یہ مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ قانونی ایمان کچھ اور شے ہے اور حقیقی ایمان کچھ اور! خطاب اُن سے ہو رہا ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ کے الفاظ پر غور کیجئے! کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو ایمان کا دعویٰ اور اس کا اعلان کر رہے ہو! اور اِقْرَأْ بِاللِّسَانِ کا مرحلہ طے کر چکے ہو! تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں فی الواقع عذاب الیم سے چھٹکارا ملے تو اس کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر یقین محکم رکھو: ﴿تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ اور ﴿وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ﴾ ”جماد کرو اللہ کی راہ میں! کھپاؤ اُس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی“۔ دیکھئے ”فی سبیل اللہ“ کا تعین پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اس نظام عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے جو محمد رسول اللہ ﷺ دے کر مبعوث کئے گئے ہیں، تمہیں اپنی جان

اور اپنے مال کو لگانا اور کھپانا ہے۔ دین کو قائم وغالب کرنا اگرچہ اصلاً فرضِ منہی ہے نبی اکرم ﷺ کا، لیکن اس کے غلبے کی جِد و جُود میں تمہیں اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنا ہے اور اپنے خون سے اس انقلاب کی آبیاری کرنی ہے۔ تمہیں اس کی بنیادوں میں اپنی ہڈیوں اور خون کا گارا بھرنا ہو گا! یہ کام اسی طور سے ہو گا اور اسی میں درحقیقت تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ واقعتاً ایمان تمہارے دلوں میں اتر گیا ہے۔

اس آیت میں گویا اسی مضمون کا اعادہ ہو گیا جو ہم سورۃ الحجرات میں پڑھ آئے ہیں کہ : ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝ ﴾ کہ اپنے دعویٰ ایمان میں صرف وہی لوگ سچے ہیں جو ان دو شرائط کو پورا کریں : (i) یقین قلبی کی یہ صورت کہ اللہ اور اس کے رسول پر ان کا ایمان یقین کی شکل اختیار کر کے دل کے اندر جاگزین ہو چکا ہو، اور (ii) اس یقین کا عملی مظہر ہو گا جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے کلمے کی سر بلندی کے لئے جان اور مال کا کھپانا۔ یہ ہے گویا کہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون جو آیت نمبر ۱۹ اور نمبر ۱۰ کے حوالے سے معین ہو گیا۔

اب ہمیں اس سورۃ مبارکہ کا ابتداء سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کے تین حصوں اور ان میں شامل آیات کے باہمی ربط اور بالخصوص اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کو سمجھنا ہے۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد بقیہ آیات کو سمجھنا ان شاء اللہ بہت آسان ہو گا۔

قول و فعل کے تضاد پر اللہ کا غضب

اس سورۃ مبارکہ کا پہلا حصہ چار آیات پر مشتمل ہے :

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿ سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾

”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے، اور وہ زبردست

ہے کمال حکمت والا ہے۔“

یہ ایک بڑا ہی پُر شکوہ آغازِ کلام ہے۔ جانتے ہو کون تم سے مخاطب ہے؟ وہ جو خالقِ ارض و

سما ہے، جس کی تسبیح و تحمید میں اس کائنات کا ذرہ ذرہ لگا ہوا ہے۔ وہ عزیز ہے، زبردست ہے، کمال حکمت والا ہے۔

اگلی آیت میں زجر اور ڈانٹ کا انداز ہے، مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ﴾

”اے اہل ایمان! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں!“

تمہارے قول اور فعل کا یہ تضاد اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اگلے الفاظ بہت سخت ہیں :

﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ﴾

”اللہ کے نزدیک یہ بات انتہائی بیزار کن ہے کہ تم کو وہ کچھ جو کرتے نہیں ہو۔“

”مقت“ عربی زبان میں غیظ اور غصے سے بھی آگے کی کیفیت کے لئے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وقت آپ کی توقعات پر پورا نہ اترے تو آپ کو غصہ آتا ہے، لیکن ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ توقع بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ایک بیزارگی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ”مقت“ کا لفظ درحقیقت اسی کیفیت کا غماز ہے۔ یہ گویا انتہائی ملامت کا انداز ہے کہ تمہاری یہ لن ترانیاں، تمہارے محبت خداوندی اور عشق رسولؐ کے یہ دعوے تمہارے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ دعوے اتنے بلند آہنگ ہوں اور عمل اس معیار پر پورا نہ اتر رہا ہو، اللہ کے ساتھ وفاداریاں اور رسولؐ کی فرماں برداری نہ ہو رہی ہو، اللہ اور رسولؐ اور ان کے دین کے لئے حمیت اور غیرت موجود نہ ہو، دین حق کو پامال دیکھو اور اپنے دھندوں میں لگے رہو، اسے مغلوب پاؤ اور پھر بھی دنیا کمانے میں مصروف و مشغول رہو، یہ قول و فعل کا وہ تضاد ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی قابل مذمت اور بیزار کن ہے۔ ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ﴾ ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو گا، خدا کو مانا ہے تو اس کے دین کے لئے جان اور مال کھپانے

۱۔ عرب میں ایک مکروہ رواج یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ تاہم ایسے نکاح کو اس معاشرے میں انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کے لئے ”نکاحِ مقت“ کی اصطلاح مستعمل تھی۔

ہوں گے، محمد ﷺ سے محبت ہے تو آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں اور اپنے مال صرف کرنے ہوں گے۔ یا چناں کن یا چینس! یا اس دعوے سے دستبردار ہو جاؤ، یاد عوی کرتے ہو تو اس کو عملاً پورا کرو! اقبال نے غالباً اسی لئے کہا تھا۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دامن مشکلات لا الہ را

اور

یہ شہادت گیر الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے...

چوتھی آیت میں یہ مضمون اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گیا۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ
مَرْضُوضٌ ۝ ﴾

”اللہ کو تو محبت ان سے ہے جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر“
ایسے گویا کہ سیدہ پائی ہوئی دیوار ہوں۔“

یہاں جماد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقام یعنی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ جماد ایک وسیع اصطلاح ہے۔ دین کے لئے جدوجہد، محنت، کوشش اور دعوت و تبلیغ، سب جماد ہی کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح دین کی نشر و اشاعت کے لئے محنت کرنا، لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہم خیال بنانے کی ہر ممکن صورت کا اختیار کرنا، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں منظم کرنا اور ان کی مناسب تربیت کا اہتمام کرنا، یہ تمام کام جماد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں، لیکن اس تصادم اور کشمکش کا آخری مرحلہ اور اس کا نقطہ عروج ہے قتال فی سبیل اللہ! — یہاں اس کا ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ

لہ غالباً علامہ اقبال نے اپنے اس شعر کا اسلوب بیان اسی آیت مبارکہ سے اخذ کیا تھا کہ
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کند!

راستہ جا کہ ہر رہا ہے! جمادنی سبیل اللہ کے جس راستے پر تم نے قدم دھرے ہیں اس کی آخری منزل کونسی ہے! چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَمَا تَهَمُّ بُنْيَانِي مَرْضُوضٌ ۝﴾ قدم اس طرح سے تھے ہوئے ہوں اور صف بندی ایسی مضبوط ہو کہ جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو کہ نہ اسے اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکے، نہ اس میں کہیں کوئی رخنہ پیدا کیا جاسکے۔

اسلام میں ”خیر اعلیٰ“ کا تصور

اس آیت کا حوالہ ہمارے منتخب نصاب کے بالکل آغاز میں آیہ بر کے ضمن میں آیا تھا کہ ہر نظام فکر کے نظریہ اخلاق میں کسی نہ کسی خیر اعلیٰ (Summum Bonum) یا بالفاظ دیگر کسی Highest Virtue کا تصور موجود ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ قدر کونسی ہے، نیکی کی بلند ترین منزل کون سی ہے۔ نوٹ کیجئے کہ آیہ بر کے اختتام پر جو مضمون آیا تھا اسی کا عاودہ سورۃ الصف کی اس آیت میں ہوا ہے۔ وہاں نیکی کی بحث کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا: ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ﴾ اور صبر کرنے والے، ڈٹ جانے والے، برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرنے والے فقر و فاقہ میں، تکلیف و اذیت میں اور میدان جنگ میں — گویا اسلام کے نظام فکر اور اس کے نظریہ اخلاق میں بلند ترین نیکی یا خیر اعلیٰ (Summum Bonum) کا جو تصور ہے وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہے۔

بہر حال یہ پہلی چار آیات تمہید بن رہی ہیں اس مطالبہ جماد و قتال کی جو آگے آ رہا ہے۔ اگلی آیات میں بعثت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جاتی ہے، لہذا آغاز میں تمہید کے طور پر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جان لو کہ صرف زبانی اقرار ایمان تمہیں اللہ کے ہاں اُن وعدوں کا مستحق نہیں بنائے گا جو اُس نے اپنے مؤمن بندوں سے کئے ہیں، بلکہ قوی اقرار کے ساتھ ساتھ عمل کی گواہی بھی ضروری ہے، اور اس عمل کی چوٹی ہے قتال فی سبیل اللہ، جو بندہ مؤمن کی عملی جدوجہد کا نقطہ عروج ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ اس کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو، اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی۔ یہ درحقیقت ایمان کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی راہ میں مجاہدے اور جہد و جہد میں گزرے، لیکن قال کا مرحلہ نہ آئے۔ تاہم ایک بندہ مؤمن کے سینے کو اس آرزو سے آباد رہنا چاہئے کہ کاش کہ وہ وقت آئے کہ اپنی جان کا ہدیہ اللہ کے حضور میں پیش کر کے وہ سرخرو ہو جائے، بکدوش ہو جائے۔ سورۃ الاحزاب میں اہل ایمان کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ قُتِلَ نَجْبَةً وَمِنْهُمْ مَّنْ يَنْتَظِرُ﴾ کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے وہ ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے، راہ حق میں گردنیں کٹوا کر بکدوش ہو چکے اور باقی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی اس امتحان میں سرخرو ہو جائیں!

یسود کا ذکر بطور نشانِ عبرت

اگلی چار آیات میں یسود کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے — اور یہ ان ”مَسَبِّحَاتِ“ کے مشترک امور میں سے ہے کہ ان میں جاہجانی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے — کہ اے مسلمانو! قول و عمل کا تضاد اور ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی سے پہلو تھی، یہی وہ اصل جرم تھا کہ جس کی پاداش میں یسود اس مقام اور منصب سے معزول کر دیئے گئے جس پر آج تم فائز کئے گئے ہو۔ چار آیات میں یسود کی تاریخ کے تین ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ لِمَ تُوذُّونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۗ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝﴾

”اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو درحالیکہ تم خوب جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی کج کر دیا، اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

قوم کے جہاد سے انکار پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیزاری

اس آئیہ مبارکہ پر پہلے تو اس اعتبار سے غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے ہاتھوں کس نوعیت کے دکھ سہنے پڑے ہوں گے! یقیناً کوئی نہ کوئی ذاتی اذیت بھی آپ کو پہنچائی گئی ہوگی، جیسے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی زبان سے جو بظاہر کلمہ گو لیکن حقیقت کے اعتبار سے منافق تھے، انتہائی اذیت پہنچتی رہی، یہاں تک کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کتنی کوفت اور کتنی ذہنی و قلبی اذیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے پہنچی ہوگی۔ تو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کی کچھ اذیتیں بھی یہود کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہنچی ہوں تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے، لیکن ”الْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا“ کے اصول کے تحت تلاش کیجئے کہ حضرت موسیٰ کو قوم کے ہاتھوں اصل اذیت کب پہنچی تھی تو آپ کو سورۃ المائدہ میں اس کی تفصیل ملے گی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی کے پھندوں سے نجات دلا کر لائے اور صحرائے سینا میں پڑاؤ کیا جہاں انہیں ”تورات“ عطا کی گئی، تو بالآخر جہاد و قتال کا مرحلہ سامنے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ اب اس ارض مقدس یعنی فلسطین میں داخل ہو جاؤ، قتال فی سبیل اللہ کے لئے کمر بستہ کس لو تو قوم نے صاف جواب دے دیا: ﴿ اذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هُنَا فَاَعِزُّوْنَا ﴾ کہ ”اے موسیٰ جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں قتال کرو، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں!“ ہم اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس پر رنج و صدمے کی جو کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اس کا نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے حد درجہ مایوسی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: ﴿ ذَبَّ اَنْحِي لَا اَهْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَ اٰخِيْ ﴾ ”اے پروردگار! مجھے خود اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے سوا کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں“ ﴿ فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝ (المائدہ : ۲۴-۲۶) ”تو اے پروردگار! اب ہمارے اور فاسقوں کی اس قوم کے درمیان تفریق کر دے“ (میں ان کے ساتھ مزید رہنے کے لئے تیار نہیں) — یہ گویا وہ سب سے بڑی اذیت تھی جو اپنی امت کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلی پڑی۔

(جاری ہے)